سنّاٹے کا ساتھ

خالی

سنّاٹے کا ساتھ

ریحان بشیر شآد

سانجھ

پرنٹ لائن

سنّاٹے کا ساتھ

ریحان بشیر شاؔد

انتساب

والدِ محترم کی عظمت

والدہ محترمہ کی محبت

اور شریکِ حیات عنبرین کی چاہت کے نام

خالی

فہرست

اظہارِ تشکّر

میں شکرگزار ہوں ڈسٹرکٹ مینیجر (ٹیوٹا) جناب مظہر فاروق واہلہ کا جن کی شفقت کے بغیر کتاب کی اشاعت ناممکن تھی۔ میں احسان مند رہوں گا جناب خاور وحید کا جو بیک وقت استاد، دوست اور بڑے بھائی کی طرح ہیں۔ اسکے علاوہ درج ذیل دوست احباب کی مہربانیوں کا تذکرہ میرے لئے مسرت وانبساط کا باعث ہے۔

پروفیسر احمد خاں، سلیم شہزاؔد، افضل راجپوت، صغیر تبسّم، جاوید رائے، پروفیسر رشید اظہر، پروفیسر قاری غلام محمد غلاؔم، شہزاد نیئر، یاسر اقبال، عباس ممتاؔز (کراچی)، ملک عقیل (کراچی)، عمار اقبال (کراچی)، خالد الرحمٰن خالدؔ، پروفیسر احسن بھٹی (BZU ملتان)، پروفیسر اعجاز بشیر (BZU ملتان)، رانا عذیر احمد (PTV اسلام آباد)، سجاد جہانیہ (خبریں، ملتان)، ماجد مجید (انگلینڈ)، موہت مشرا (بھارت)، خرم شجراء (پی ٹی وی، ملتان)، فرحان ملغانی (وقت ٹی وی، ملتان)، چوہدری آصف (چیف ایگزیکٹو ایف، ایم 90 بہاولنگر)، شاکر حسین شاکرؔ (ملتان)، اطہر لطیف (ریڈیو پاکستان، ملتان)، حسین احمد مدنی (بہاول پور)، عرفان احمد (ایف، ایم 90 بہاولنگر)، ناصر حسین کاظمی (ایف ایم 90 بہاولنگر)، شبیر احمد (ایف،

ایم96 سرگودھا)، جاوید سلیم (چیف ایڈیٹر فائنل نیوز)، ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری، محمد اشرف (AIOU اسلام آباد) بھائی عمران بشیر، بھائی رضوان بشیر، ماموں عبدالحمید رضا، بھائی اللہ دتہ ساجد (سلار وہن)، بھائی حافظ ناصر ملک، بھائی راشد ملک (کبیر والہ)، عامر فاروق (پشیاں)، عبدالجبار دریشک (راجن پور)، ملک ندیم (کوٹ اددو)، حاجی شفیق احمد (ٹبہ سلطان پورہ)، بلال لطیف، ابرار احمد، عادل حسین طاہر، اسد اللہ بن سعید، خاور مسعود اور شیخ نعیم احمد۔۔

غبارِ دل

میں گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تھا، ایسا اندھیرا جہاں اپنا آپ بھی دکھائی نہ دے۔ اندھیری دنیا سے باہر آیا تو ہر طرف روشنی تھی۔ پیار، محبت، چاہت کی روشنی۔ احساس، توجہ اور خلوص کی روشنی، رشتوں کی کرنوں نے میری آنکھیں کھولیں، مجھے اپنے اردگرد اپنا بچپن نظر آیا۔ مگر ایسا بچپن جس میں کھلونے نہ ہوں۔ جس میں خواہش کو موت ہو، ایسا بچپن جس میں خواب بھی آنکھ سے پانی بن کر نہیں نکلتے۔ ہوش سنبھالا تو خود کو اور اپنے گھر والوں کو غربت کی دیواروں میں مقید پایا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آسائشات زندگی کیا ہوتی ہیں۔ میں اک عرصے تک غربت، بے بسی، تنگی، صرفہ، فکر و غم اور آزمائش کو زندگی سمجھتا رہا۔ ٹاٹ پر بیٹھ کر معاشرے میں اٹھنا بیٹھنا سیکھا، چچا کے ہاتھ سے بنی ہوئی تختی پر لکھ لکھ کر اپنی پہچان بنائی۔ والد کی شب و روز محنت نے دل میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ پیدا کیا۔ غربت و محرومی کی تصویر بدل کر خوشحالی کا منظر گھر میں پینٹ (Paint) کرنے کی ٹھان لی۔ والد کے خون پسینے کی کمائی نے کبھی فضول خرچ نہ ہونے دیا۔ خیر زندگی کی اسی ڈگر پر چلتے چلتے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج آف کامرس بہاولنگر سے ڈی کام کا امتحان پاس کیا۔ حال ہی میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے (M.Sc (Mass Communication کا

امتحان پاس کیا۔

احساسِ ذمہ داری نے دورانِ تعلیم ہی نوکری حاصل کرنے کی تگ ودو کا شعور دیا اور ڈی کام پاس کرنے کے کچھ ہی ماہ بعد ٹیوٹا کی طرف سے نوکری کا پروانہ میرے گھر کی غریب دیواروں پر آ بیٹھا۔ یہ میرے اور میرے گھر والوں کیلئے سرپرائز تھا، بغیر رشوت وسفارش کے نوکری کا ملنا کم از کم میرے لئے حیران کن بات ضرور تھی۔ زندگی کے زینے جیسے جیسے طے کرتا گیا میرے والد صاحب کے چہرے پر طمانیت اور سکون جھلکنے لگا۔ میرے والد صاحب میرے آئیڈیل تھے اور میں تا حیات انکی ذات سے متاثر رہوں گا، ایمانداری کا پلو تھامے، خون پسینے میں ڈوبے حلال روزی کماتے، حلال کھلاتے اور مرتے دم تک اسی پلِ صراط پر مستقل مزاجی کے ساتھ چلتے رہے۔

ہر مشکل گھڑی میں ماں کی دعاؤں کا سایہ میرے سر پہ رہا، ماں کے دعا کیلئے ہلتے ہونٹ ہی میری زندگی میں کامیابی اور عزت واحترام کا سبب ہیں، شریکِ حیات عنبرین کی محبت بھی ساتھ رہی ۔کمپیوٹر اور مصوری کا جنون کی حد تک شوق رہا جو بعد میں معاش کے آگے گھٹنے ٹیکتا گیا۔ 23 جولائی 2008 کو والد کا سایہ سر سے کیا اٹھا؟ ذمہ داریوں کے بوجھ نے آ لیا۔ خیر یاسیت اور منافقت کی اس آلودہ ہوا میں سانس لینے کیلئے میں نے ممکنہ حد تک اپنے مشاغل کو بھی زندہ رکھا۔ ریڈیو کمپئرنگ، کالم نگاری اور غیر رسمی صحافت نے کچھ تسکین دی اور شاعری نے مجھے ہمیشہ ذہنی تقویت دی۔ کچھ دوستوں نے ہر مشکل گھڑی میں ساتھ دیا اور کچھ دوستوں نے ہر گھڑی کو مشکل بنا دیا۔ ''سناٹے کا ساتھ'' میرا پہلا شعری مجموعہ آپکے ہاتھوں میں ہے، اس میں جو میں نے محسوس کیا لکھ دیا۔

شاعری کی دنیا میں قدم رکھتے ہی بہت سارے ''قلمی قصابوں'' سے واسطہ پڑا، کچھ سینئرز کے بے رحم تبصروں نے ناامیدی کو اور بڑھا دیا، بہت دفعہ سوچا شاعری ترک کر دوں۔ ابھی فیصلہ کرنے کے قریب ہی تھا کہ ایک شفیق استاد نے رستہ دکھایا اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مجھے ہمت دی۔ خاور وحید ہی نے میرے اندر کے شاعر کو دریافت کیا۔ پھر ایک وقت آیا جب میرے اندر کے اعتماد نے میرے ہاتھ میں قلم دیا اور میں لکھتا چلا گیا۔

ناامیدی، بے چارگی کے بہت سے موسم آئے جو بہت سی نظمیں، غزلیں دے گئے، شعور کے طاق میں رکھے جذبوں اور مشاہدات نے شعروں کی شکل لی۔ جو بھی، جب بھی لکھا، جیسا بھی لکھا اس کا بیشتر حصہ آپکے ہاتھوں میں ہے۔ تنقید، مشورے اور تبصرے میرے لئے یقیناً اہم ہوں گے۔

ریحان بشیر شآد
قائم آباد، بہاول نگر
+923157586223
rbshaad@gmail.com

تاثرات

ریحان بشیر شآد نوجوان نسل کا ایک ایسا شاعر ہے جس نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں ہر طرف بھوک بکھری پڑی تھی۔ ایسے گھروں میں ہر لحظہ خواہشوں کی موت واقع ہوتی ہے۔ جہاں غربت کا جادو بچوں کو قبل از وقت Mature کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ماحول میں ریحان نے لڑکپن سے جوانی تک کا سفر ایک ہی جست میں عبور کر لیا اور یکا یک بوڑھا ہو گیا۔ جس عمر میں شعراء ہجر و فراق اور زلف و رخسار کی حکایات بیان کرتے ہیں وہ اس عمر میں کچھ ایسے اشعار تراشتا ہے:

غربت کی دیوار کے پیچھے
آہوں کا انبار پڑا ہے

جو بھی گرتا ہے پھر نہیں اٹھتا
مفلسی ہے یا ایک دلدل ہے

معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتے داروں سے توقعات

وابستہ کر لینا اچنبھے کی بات نہیں ہوتی۔لیکن نفسا نفسی کے اس دور میں ان افراد کے بارے میں ریحان بشیر شاد کا تجربہ کچھ ایسا ہے

اپنے پاؤں جمانا مقصد ہے
کون کس کا یہاں سہارا ہے

بوڑھے باپ کی بیماری نے ریحان کو مجبور کیا کہ وہ تعلیم کو تشنہ چھوڑ کر ملازمت اختیار کر لے، حالات کا جبر جب سامنے آن کھڑا ہو اور آرزوؤں کی راہ میں حائل ہو جائے تو شاعر انتہائی حساس ہو جاتا ہے، یہ کیفیت جب جنم لیتی ہے تو ایسے شعر کہلواتی ہے:

مر کے ایسے سکوں ملا جیسے
سر سے گٹھڑی اتارتا ہے کوئی
صبح تک رات روتی رہتی ہے
شب کچھ ایسے گزارتا ہے کوئی

سماج میں جنم لینے والے مسائل کا مشاہدہ ویسے تو ہر آنکھ کرتی ہے لیکن شاعر کا معاملہ تھوڑا مختلف ہوتا ہے وہ چیزوں کو ایسے زاویے سے دیکھتا ہے کہ ان میں معنویت پیدا ہو جاتی ہے چیزیں زندہ ہو کر بولنے لگتی ہیں، لفظوں کو پر لگ جاتے ہیں جن میں اڑ کر دلوں کو چھونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ریحان بشیر شاد کی ایک نظم دیکھیے:

خالی ہاتھوں والا بابا!
اپنے ترسے بچوں کو
خواہش لا کر کیسے دے گا؟
ہاں! کچھ دے گا تو بس اتنا
بے بنیاد سے جھوٹے خواب
اچھے کل کی ایک تسلی
بھیگتی آنکھوں سے اک وعدہ
پیٹھ پہ تھپکی!

کہا جاتا ہے کہ ''بدترین حالات میں بہترین ادب جنم لیتا ہے''۔شاعر اگر آسودہ حال ہو تو

اس کے کلام میں وہ تپش پیدا نہیں ہوتی جو دلوں کو گرمانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔لیکن اگر شاعر حالات کے کرب سے گزر رہا ہو تو اس کے کلام کی تاثیر دو چند ہو جاتی ہے۔

ریحان کا کلام پڑھتے ہوئے کبھی کبھی یہ تاثر ابھرتا ہے کہ کہیں وہ قنوطیت کا شکار تو نہیں؟ لیکن جوں جوں ہم آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں یہ تاثر زائل ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ قنوطی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔اگرچہ اس کے ہاں یقیناً ایسا تاثر تو نظر آتا ہے کہ جس آگ میں وہ جل رہا ہے پورے معاشرے کو اسی میں جلا کر خاکستر کر دے لیکن یکا یک وہ زندگی کی خوبصورتی کی طرف مراجعت کرتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس کا گھر بھی بستی میں تھا
آگ لگانا ممکن کب تھا؟

ریحان کی شاعری کا بیشتر حصہ غربت اور اسکے لوازمات پر مشتمل ہے۔کہیں کہیں زندگی کا حسن اور رومان اسکی شاعری میں در آیا ہے۔شاعر بعض اوقات اپنے حوالے سے معاشرے میں بسنے والے افراد کے المیوں کو اجاگر کرتا ہے۔اس قسم کی مثالیں ریحان کے کلام میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

غربت مجھ کو
دھیرے دھیرے
چاٹ رہی ہے
مرجاؤں تو
پھر نہ کہنا
رب کی مرضی

یہ ایک طرح کا ''توجہ دلاؤ نوٹس'' ہے۔جس میں ریحان معاشرے کے افراد کو متنبہ کرتا ہے کہ غربت کا عفریت لوگوں کو نگل رہا ہے کچھ اس طرف بھی توجہ دو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ معاشرہ جس میں انسان اپنی خواہشوں کے پیچھے سر پٹ دوڑ رہے ہوں وہ ریحان کی آواز پر کیسے کان دھریں گے، یہ معاشرہ دراصل مردہ پرستی کا قائل ہے جو زندہ لوگوں کی قدر نہیں کرتا جبکہ مرنے کے بعد انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔بقول شاعر:

یہ مرے عہد کا منشورِ ستائش ٹھہرا
وہ جو اب ہم میں نہیں ہے وہ بہت اچھا تھا

خاور وحید

بہاول نگر

آپ میں اچھا شعر کہنے کی صلاحیت ہے اور شعر کو شعر بنانے کی بھی۔
ریحان! شعری ریاضت اور صبر شاعر کو مرنے نہیں دیتا۔ اللہ آپ کے کلام میں تاثیر اور برکت رکھے!

عامر سہیل، بہاولنگر

''سناٹے کا ساتھ'' بلاشبہ شعری تخلیقات کا بہترین مجموعہ ہے جس میں خارزارِ شعر کے نووارد ریحان بشیر شاد نے قریہ بہ قریہ جذبات و محسوسات کو حسنِ بیاں سے مہمیز کرتے ہوئے آئینہ کر رکھا ہے۔ اس طلسم کدے میں جہاں حسن و جمالیات پر آشفتہ حسرتوں کی بیاں بازیاں، ہجر و وصال کے ادھورے قصے اور خواہشات کا جہاں آراستہ ہے، وہیں معاشرتی ڈھلوانوں پر تصویر کاری کا سفر بھی رقم ہے۔ اس کے پاس اظہارِ خیال کی بھرپور توانائی اور جہانِ آرزو کا توانا احساس موجود ہے جس کی بدولت وہ اپنے خوابوں، تخیلاتی ماحول اور نا آسودہ آرزوؤں کے رہن میں رہ کر ایک دم نکلتا ہے اور پھر پلٹ کر اس صحرائے خیال پر محوِ کلام بھی ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ زمانے کو اپنے طور سے مشاہدے کی بھٹی میں ڈال کر دیکھتا ہے اور اچھائی کو اچھائی اور بدی کو بدی کے طور پر مصور کر کے اپنے قاری کے روبرو کرتا ہے۔ اس کے ہاں لفظیات کے داؤ پیچ اور الجھاوے، بیاں کی پیچیدگیاں اور ثقیل جملوں کے یورشیں نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی سادہ کاری کے سبب پڑھنے والے کو اپنا مسحور کر لیتا ہے۔ اپنے عشق کی سچائی اور جذبات کی جلد بازی کو چھپانے کی ہرگز ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

بجا طور پر وہ سچا اور کھرا شاعر ہے اور اس کے غزل اور نظم کی بنت کاری دیکھتے ہوئے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں وہ اردو ادب کو اچھا مواد دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ اپنی محبوبہ سے مخاطب ہوتا ہے یا اس معاشرے سے، یا اپنے آپ پر انگلی اٹھاتا ہے تو اس کے لہجے کی کھنک، شاہیں انداز اور جذباتی جارحیت اپنے روائتی انداز میں اس کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ تاب و تمکنت اس کے ہاں شعر شعر میں موجود ہے۔

گر یباں چاک ہو تو درد کی تشہیر ہوتی ہے

ناصر ملک

ایڈیٹر ''اردوسخن ڈاٹ کام''۔ پاکستان

ریحان بشیر شاد کی شاعری میں ایک حیران کن تازگی، سادگی اور بے ساختگی ہے۔ جسے ابھی خشک و بیزار قسم کی شعری مہارت کا گھن نہیں لگا جو فی زمانہ شعری خوبیوں سے لبریز کئی شاعروں کو کھا چکا ہے۔ میں عام طور پر کتابوں کے فلیپس اور دیباچے نہیں لکھتا۔ ریحان بشیر شاد اور انکی شاعری سے میری شناسائی انٹرنیٹ کے ذریعے ہوئی۔ جب انہوں نے مجھے فلیپ لکھنے کیلئے کہا اور میری معذرت کے باوجود مختصر سا مسودہ بھجوا دیا تو حسبِ معمول میں بہت متامل ہوا اور ٹالتا رہا۔ یہاں تک کہ انکی کتاب چھپنے کے آخری مرحلے تک آ گئی۔ میں نے انہیں بہت کہا کہ مجھ جیسے معمولی اور گوشہ نشین شاعر کے فلیپ سے ان کے شعری قد کاٹھ میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوگا۔ یہ مشہور شاعروں اور پیشہ ور نقادوں کا کام ہے لیکن ان کا اصرار قائم رہا بالآخر مجھے مسودہ کھولنا اور پڑھنا پڑھا۔ اب یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے یک گونہ مسرت اور اطمینان کا احساس ہو رہا ہے کہ ریحان کیلئے حروفِ تحسین و ستائش لکھنا ضروری تھا۔

ریحان کی شاعری میں ذات اور عصر اپنے سادہ ترین امتزاج کے ساتھ الفاظ میں صورت پذیر ہو

رہے ہیں۔ ایسے الفاظ جن میں گداز، تپش اور اظہار کی دلبری تو ہے دبیز قسم کی بیزاری اور عمومی تلخی نہیں یہ خوبی بڑی دل خوش کن ہے اور ان کے شعری مستقبل کی ضامن ہے۔

نصیر احمد ناصر

مدیر ''تسطیر'' راولپنڈی

ایک بے ہنگم شور کے باوجود ہر جانب سناٹا۔ یہ آج کا المیہ ہے اور یہی ریحان بشیر شاد کی شاعری کا موضوع بھی۔ ''سناٹے کا ساتھ'' ریحان بشیر کے شعری سفر کا آغاز ہے۔ یہ نئی نسل سے تعلق رکھنے والے شاعر کا کلام ہے۔ ایک ایسی نسل جو ہم سے زیادہ باشعور اور اسی لئے بہت زیادہ مضطرب بھی ہے۔ آج کے نوجوان کا المیہ یہ ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے، بہت کچھ کہنا چاہتا ہے، بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے راستے مسدود ہیں۔ یہ کیفیت اشتعال بھی پیدا کرتی ہے جو ہمیں نئی نسل میں عمومی طور پر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اسی نسل میں ریحان بشیر جیسے نوجوان بھی ہیں جو سناٹے میں جینے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور دکھوں سے بھرے معاشرے میں شاد بھی رہتے ہیں۔ ریحان کو یہ ہنر اور حوصلہ محبت نے عطا کیا ہے۔ محبت جو صحرا میں دھوپ کی حدت کا احساس

نہیں ہونے دیتی اور پُر خطر وپُر خار راہوں کو گُل وگلزار کر دیتی ہے۔ ریحان بشیر شاد کے سامنے ایک وسیع جہان ہے اور وہ پرواز کا عزم بھی رکھتا ہے۔ اردو شاعری کا مستقبل ایسے ہی نوجوانوں سے وابستہ ہے۔

رضی الدین رضی

ملتان



دُکھوں کا زہر پیتا ہوں، تمہاری مان لیتا ہوں
میں کچھ دن اور جیتا ہوں، تمہاری مان لیتا ہوں
گریباں چاک ہو تو درد کی تشہیر ہوتی ہے
میں اپنے زخم سِیتا ہوں، تمہاری مان لیتا ہوں

حمد

اے خدا!
کیسے کروں تیری ثناء؟
میں وہ عاصی ہوں کہ جس کا ڈولتا ایماں
کہاں، کب، کس نہج پر جا کھڑا ہو۔۔۔

کیا بھروسا؟

میں وہ عاصی،

جس کے باطن میں اندھیروں کے سوا

کچھ بھی نہیں ہے

اور توکل

زندگی کی تلخیوں سے ہار مانے

یاسیت کے پاؤں میں بیٹھا ہے کب سے

اے خدا! کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ناامیدی کے سوا

اے خدا!

کیسے کروں؟ تیری ثناء!

اے خدا!

میری زباں نے جھوٹ کی پوشاک پہنے

قوتِ گویائی کو سر کر لیا ہے

آنکھ کا ایمان بھی کچھ ناتواں ہے

تیرے جلوے دیکھ کر بھی نم نہیں ہے؟

اس جہاں کے ناخداؤں سے ملا کر

ہاتھ بھی کالے ہوئے ہیں دل کے جیسے

یہ قلم لکھے گا کیسے تیری عظمت!

حاکموں کی چاکری پہ مر مٹا ہے

اے خدا! شرمندگی کی انتہا ہے

حمد

اے مرے مولا، اے مرے خالق
آفتیں سب ہی تیری جانب سے
اور رحمت بھی تُو ہی کرتا ہے
تُو پرکھتا ہے کون مُسلم ہے

تُو ہی جانے کہ کون مُنکر ہے
یہ بھی دیکھا کہ صبح کے بھولے
شام کو در پہ تیرے گرتے ہیں
مجھ پہ اتنا کرم تو کر مولا
آگ ہیں یہ جہاں کی دو گھڑیاں
یوں نہ ہو
مجھ پہ بھاری ہو جائیں
میری اپنی ہی ایک دو سانسیں
یہ نہ ہو
مجھ پہ حاوی ہو جائیں
چاہے کچھ بھی ہوا ے مرے خالق
مجھ کو بس نا امید مت کرنا

ماں کے نام

چاہے دُشمن ہزار دے مولا
مجھ کو تُو ماں کا پیار دے مولا

ماں کے پاؤں میں دو جہاں رکھ دوں
مجھ کو یہ اختیار دے مولا

ماں تو ہے ناتواں میری، مجھ کو
اس کے حصے کا بار دے مولا

ماں کے قدموں تلے جگہ دے دے
میری قسمت سنوار دے مولا

سوچ کے سب عذاب دے مجھ کو
مری ماں کو قرار دے مولا

سب کچھ غلط ہے خود کو بتانا پڑا مجھے
خود آگہی سے ہاتھ اٹھانا پڑا مجھے

بڑھتا ہی جا رہا تھا لحد پر بہت ہجوم
کتبے سے اپنا نام مٹانا پڑا مجھے

ہر روز خود کو ڈھونڈنے گھر سے نکل پڑا
ہر شام، خالی لوٹ کے آنا پڑا مجھے

اپنی نظر میں آپ ہی میں معتبر رہا
پھر یوں ہوا کہ خود کو گرانا پڑا مجھے

نابینا صفت شہر میں کس کا بھلا کروں؟
سوچوں کا آفتاب بجھانا پڑا مجھے

اپنی آنکھیں دھو لیتے تو اچھا تھا
تنہا بیٹھ کے رو لیتے تو اچھا تھا

دل کی دھرتی بنجر اور ویران سی ہے
بیج وفا کے بو لیتے تو اچھا تھا

ہر اک نام کی نسبت تیرے نام سے ہے
ہم بھی تیرے ہو لیتے تو اچھا تھا

دن بھر آنکھیں سرخ چھپاتے پھرتے ہو
رات کو تھوڑا سو لیتے تو اچھا تھا

جاگے ، جلتے جلتے راتیں کاٹیں ، شآد
سو لیتے یا رو لیتے تو اچھا تھا

بے بسی

خالی ہاتھوں والا بابا!
اپنے ترسے بچوں کو
خواہش لا کر کیسے دے گا؟

ہاں! کچھ دے گا تو بس اتنا
بے بنیاد سے جھوٹے خواب
اچھے کل کی ایک تسلی
بھیگتی آنکھوں سے اک وعدہ
پیٹھ پہ تھپکی!

دُکھتی رَگ پر ہات نہ رکھ
دُشمن اپنے ساتھ نہ رکھ

ساری دنیا طعنہ دے گی
اُس کو گھر میں رات نہ رکھ

مر نہ جائے بھوک سے کوئی
کھانوں میں بہتات نہ رکھ

جی میں جو ہے کہہ دے تُو
دل میں کوئی بات نہ رکھ

کُڑھتے کُڑھتے مر جائے گا
غم کو اتنا ساتھ نہ رکھ

شب کے ڈر سے روتا سورج
ذرّہ ذرّہ ہوتا سورج

دھوپ میں رِم جھم ایسے ، جیسے
اپنی آنکھیں دھوتا سورج

محشر کا سندیسہ دے گا
ہر دم نیچے ہوتا سورج

اپنے آپ پہ نادِم ہوگا
اک دن ، کربل بوتا سورج

شآد نے اپنی آنکھوں دیکھا
گہری نیند میں سوتا سورج

عالم عاقِل پیار میں پاگل بن جاتا ہے
کیسا کیسا پتھر بادَل بن جاتا ہے

طاقت کی جب دوڑ میں سارے ہی شامل ہوں
ہنستا بستا شہر بھی جنگل بن جاتا ہے

دن بھر میرے ساتھ پھرے ہے رات یہاں
شب کا چہرہ تیرا کاجل بن جاتا ہے

کیسے کیسے جنگل رستہ بنتے دیکھے
کیسا کیسا رستہ جنگل بن جاتا ہے

جب بھی کوئی شآد مجھے مجنوں کہتا ہے
لہجہ میرے ماتھے کا بل بن جاتا ہے

محبت

محبت آگ ہوتی ہے
کوئی بھی جسم ہو، دل ہو
کوئی جذبہ کوئی رشتہ
سبھی کچھ بھسم کرتی ہے

محبت وہ سمندر ہے
جواس میں ڈوب جاتا ہے
ہمیشہ خشک رہتا ہے

محبت خواب ایسا ہے
کُھلی آنکھوں سے دِکھتا ہے
کوئی بھی خواب یہ دیکھے
اسے ہر سمت ہر جانب

دکھائی کچھ نہیں دیتا
سوا محبوب اپنے کے
سجھائی کچھ نہیں دیتا

محبت دائمی دکھ ہے
لہو کے ساتھ بہتا ہے
اگر یہ روگ لگ جائے
لحد تک ساتھ رہتا ہے

آسماں سے پکارتا ہے کوئی
وقت سو کے گزارتا ہے کوئی

سب امیدیں مٹا بھی دیتا ہے
من کی خواہش ابھارتا ہے کوئی

مر کے ایسے سکوں ملا جیسے
سر سے گٹھڑی اُتارتا ہے کوئی

صبح تک رات روتی رہتی ہے
شب کچھ ایسے گزارتا ہے کوئی

بکھری زلفیں سمیٹ لیتا ہے
اپنی قسمت سنوارتا ہے کوئی

وہ مرے ساتھ ایسے چلتا ہے
''جیسے احساں اتارتا ہے کوئی''

خود سے لڑتے رہنا خود ہی
پل پل مرتے رہنا خود ہی

رستے ، راہی سب ہیں دھوکا
تنہا چلتے رہنا خود ہی

اوروں سے امید نہ رکھنا
جو ہو ، کرتے رہنا خود ہی

خوش فہمی میں جیت ہو اسکی
جان کے ہرتے رہنا خود ہی

خواب خیال اور تنہائی میں
خود سے ڈرتے رہنا خود ہی

باتیں

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں
جوسب سے کہنا پڑتی ہیں
کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں

خود سے بھی چھپانا پڑتی ہیں
کچھ باتیں بات بناتی ہیں
کچھ باتیں آگ لگاتی ہیں
کچھ باتیں مصرعے بُنتی ہیں
اور دل میں گھر کر جاتی ہیں

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں
آنکھوں سے کہہ دی جاتی ہیں
کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں
جو پہلے تولی جاتی ہیں
اور بعد میں بولی جاتی ہیں
کچھ باتیں تلخ سی یادوں کا
مرہم بن جایا کرتی ہیں
کچھ باتیں دل کے کمرے کو
چپ چاپ جلایا کرتی ہیں
کچھ باتیں، باتیں کرتی ہیں
کچھ باتیں پھندا بنتی ہیں
کچھ باتیں تنہا روتی ہیں
کچھ باتیں تنہا ہنستی ہیں

انکشاف

کئی دنوں سے
دیکھ رہا ہوں
میرے باغ کے سارے بوٹے

ہر پل سکتے میں رہتے ہیں
اک دوجے سے یہ کہتے ہیں
اپنی رگوں میں دوڑنے والا
سارا پانی
چوری کا ہے!

زندگی کون تجھ سے ہارا ہے
سب کو حالات ہی نے مارا ہے

اپنے پاؤں جمانا مقصد ہے
کون کس کا یہاں سہارا ہے

آج پھر خون میں تلاطم ہے
پھر کسی نے مجھے پکارا ہے

تم کہو لاکھ وہ تو جانے ہے
کون سورج ہے کون تارا ہے

زندگی بس مجھی پہ بھاری ہے
کوئی حل ہے نہ کوئی چارہ ہے

سناٹے کا ساتھ

لمحوں کی سرسراہٹ
سوکھے پتوں کے بلکنے کا شور
اشجار کے خراٹے
اور بے لگام اندھیرا
بھیانک رات ہے
یا کوئی خواب ہے
میں نہیں جانتا

سورج نے بہت وعدے کیے
چاند نے اندھیرے سے مفاہمت کر لی
ڈوبتے دل کے ساتھ اور کچھ بھی نہیں
سوائے
انجانے خوف اور سناٹے کے

نہ مجھے تُو سنائی دیتا ہے
نہ کہیں تُو دکھائی دیتا ہے

خامشی احتجاج ہے لیکن
کون ایسے رہائی دیتا ہے؟

جس نے ہر جا کیا مجھے رسوا
اپنی ہر جا صفائی دیتا ہے

چارہ جب بھی کروں رہائی کا
شہر ظالم دکھائی دیتا ہے

یہ پھٹے ظرف ، چیختی آہیں
یہ مجھے کیا دکھائی دیتا ہے

آنکھ سے آنکھ ملاتی جا
من میں آگ لگاتی جا

میرا ساتھ نبھاتی جا
دنیا کو تڑپاتی جا

بڑا عذاب ہے آدھی بات
پوُری بات بتاتی جا

میرے بول اَمر ہو جائیں
میرے شعر سناتی جا

سارے عاشق مرجائیں
سوچ کے ہاتھ ہلاتی جا

صاف گوئی

مشکل باتیں

کرنا چھوڑو
سیدھی سیدھی
بات بتاؤ
کتنے دن سے
تشنہ لب ہو؟

ایک وعدہ وفا نہ ہو پایا
کہہ کے تم سے جدا نہ ہو پایا

ہم نے ہر دور میں بغاوت کی
ظلم پھر بھی خدا نہ ہو پایا

کشتیاں ڈوبنے پہ مائل تھیں
پر سمندر فدا نہ ہو پایا

رات ہم نے بہت عبادت کی
لفظ لیکن دعا نہ ہو پایا

اک دعا درمیاں میں حائل تھی
لاکھ چاہا برا نہ ہو پایا

جھوٹی

وہ جب بھی فون کرتی ہے
مجھے ہر بار کہتی ہے
تمھارا شہر چھوڑا ہے، تمھیں ہرگز نہیں چھوڑا
پرانے پیڑ کے نیچے گلے شکوے وہ وعدے سب

مجھے اب تک نہیں بھولے،

سنو! اب بھی کوئی گلشن
دکھائی جب بھی دیتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے
مجھے شب بھر رلاتی ہے!!!

میں اسکی بات سنتا ہوں
اسے ہنستے ہوئے ہر بار
فقط اتنا ہی کہتا ہوں
تمہارا مجھ سے یہ کہنا
''تمہارا شہر چھوڑا ہے، تمہیں ہرگز نہیں چھوڑا''
مجھے تو جھوٹ لگتا ہے۔

تنہائی

دن کے اجالے
رونق، میلے۔۔
دنیاداری
پھول کے جھرمٹ

تتلی کی سرگوشی، خوشبو
خوشیاں، قسمت،
سب کچھ روٹھا۔۔۔
گھڑی کی ٹک ٹک۔۔۔
ٹھنڈی آہیں۔۔۔
رنگینی اور سجن بیلی۔۔۔
دن کے ساتھی۔۔
روٹھ گئے سب۔۔۔
رات کے سناٹوں کا قیدی۔۔
کسے پکارے؟؟؟

تمہاری بزم میں تم سے کلام ہو جائے
کہ آنکھ جیسے ہی اُٹھے سلام ہو جائے

تمہارے عشق میں دیکھا یہ معجزہ ہم نے
کہ بات دل سے نکلتے ہی عام ہو جائے

وفا کے دشت میں تم کو یہ احترام ملے
امیرِ شہر تمہارا غلام ہو جائے

پاگل پن

بے معنی ہیں
کھوکھلی باتیں۔۔۔
پاگل پن کا

دامن چھوڑو
مان بھی جاؤ۔۔۔
عشق وجنوں کے سارے قضیے
تیرے بس کی
بات نہیں ہیں۔۔۔۔

یونیورسل ٹرتھ

ساری جنتا
دھرتی ماں سے

دھن لیتی ہے
ہنستی ہے، روتی ہے
تھک کے۔۔۔۔
ماں کی گود میں سو جاتی ہے
مٹی، مٹی ہو جاتی ہے

سازش

ہوا چلتی ہوئی

آوارگی کے
کان بھرتی ہے
تیرے گھر سے نکلنے کی
خبر کو عام کرتی ہے۔۔
تجھے بدنام کرتی ہے

خاک سر پر سجائے پھرتا ہوں
دیکھ! خود کو چھپائے پھرتا ہوں

روشنی ڈھونڈتا ہوں گلیوں میں
اپنے گھر کو جلائے پھرتا ہوں

سنگ باری کا شہر میں عالم
خود کو شیشہ بنائے پھرتا ہوں

کل جو دیکھا تھا آپ کا چہرہ
آج خود کو بھُلائے پھرتا ہوں

ایک عالم جگا دیا میں نے
اپنی قسمت سُلائے پھرتا ہوں

Caution

غربت مجھ کو

دھیرے دھیرے
چاٹ رہی ہے!
مرجاؤں تو
پھر نہ کہنا
رب کی مرضی۔۔

یادیں

رات کا سناٹا
تنہائی
لمبی راتیں
تیری یادیں

ٹھنڈی آہیں
لہو کی گرمی
ہر شب دل پر تیر چلائیں
مجھے جلائیں
باز نہ آئیں۔۔۔

بادل جیسا برسا کب تھا؟
من بھی اپنا ترسا کب تھا

ملکوں ملکوں دیکھ لیا ہے
پیار کہیں بھی گھر سا کب تھا ؟

چلتا سر تھا پاؤں جیسا
پاؤں تھا لیکن سر سا کب تھا ؟

روز مسیحا آئے لیکن بیماری نہ جائے
''میرا سب کچھ تُو ہی تو ہے''، کون اسے بتلائے؟

یوں کرتے ہیں اک دوجے کا دارو ہم بن جائیں
مجھ کو بھی جیون کا غم ہے ، تجھ کو بھی یہ کھائے

تیرے حسن کا چرچا اتنا ہر کوئی عاشق تیرا
جس سے تیرا پوچھا اسکے منہ سے نکلا ، ہائے!

یہ کیسا انصاف ہے مولا ، یہ کیسی تقسیم؟
مفلس کے گھر آفت اترے، مفلس دھکے کھائے

جیون بیتا کچھ چیزوں کی یاد ابھی تک تازہ
خوشبو تیری، آنکھیں تیری، تیرے ہاتھ کی چائے

دسمبر

تیرے حسن کا
پردہ۔۔۔
روز سرکتا جائے

تیرے حسن کی
تیز تپش سے
ٹھنڈی راتیں
پگھل رہی ہیں
اور دسمبر گزر رہا ہے۔

جان لیوا عذاب سر پر ہے
اک گزشتہ حساب سر پر ہے

اب ملامت نے دل کو گھیرا ہے
جبکہ ظالم شباب سر پر ہے

اِس طرف دل گناہ پر مائل
اُس طرف پھر ثواب سر پر ہے

خار اَبرو ہیں نین تلواریں
اور مہکتا گلاب سر پر ہے

آنکھ کھل جائے بھی تو کیا حاصل
رات بھر کا عذاب سر پر ہے

راز بتانا ممکن کب تھا
تجھے منانا ممکن کب تھا

اس کا گھر بھی بستی میں تھا
آگ لگانا ممکن کب تھا

بہت جلایا خود کو لیکن
اور جلانا ممکن کب تھا

عمر کے ایسے دوراہے پر
بوجھ اٹھانا ممکن کب تھا

یاد بھی رکھنا مجبوری تھی
بھول بھی جانا ممکن کب تھا

دنیا تکتی ، طعنے دیتی
ہاتھ ہلانا ممکن کب تھا

باہر جانا بھی مشکل تھا
رات بِتانا ممکن کب تھا

کسی

بوتل۔۔۔۔

وہ پانی کی بوتل
سب کی پیاس بجھاتی ہے
خود پیاسی رہ جاتی ہے

''ابھی کچھ کام باقی ہیں''

خیالِ خام باقی ہیں
"ابھی کچھ کام باقی ہیں"
مجھے ماضی کی یادوں کو
ابھی دل سے بھلانا ہے

کوئی لمحہ میسر ہو
تو دل کی بات سننا ہے
بہت احسان ایسے ہیں
جنہیں میں خود پہ کر گزرا
ابھی خود کو جتانے ہیں
خیال خام باقی ہیں
"ابھی کچھ کام باقی ہیں"

ابھی کچھ راز ایسے ہیں
جنھیں تشہیر کرنا ہے
کہ آگے بھاگتے لمحوں کو بھی زنجیر کرنا ہے
قیامت خواب کی صورت
اسے تعبیر کرنا ہے
آئینے ہاتھ میں سب کے
تھمانا رہ گیا باقی
بھیانک روپ جیون کا
دکھانا رہ گیا باقی
خیال خام باقی ہیں
"ابھی کچھ کام باقی ہیں"

روپ دکھانے آ جاتے ہیں
مجھے جلانے آ جاتے ہیں

باہر بانٹ کے اپنا سب کچھ
رات بِتانے آ جاتے ہیں

خون سے لت پت دامن والے
ہاتھ ملانے آ جاتے ہیں

مجھ سے سن کر میری باتیں
مجھ کو سنانے آ جاتے ہیں

سورج ہاتھ میں لے کر عاشق
رات بجھانے آ جاتے ہیں

شاؔد حسیں لوگوں سے مل کر
خواب سہانے آ جاتے ہیں

خاور وحید کیلئے

سر جی! آپ بھی
کیسی سوچ کے مالک ٹھہرے!
دنیا چاند پہ جا پہنچی ہے
آپ وہیں پر کھڑے ہوئے ہیں

پیار محبت اور وفا کی
دقیانوسی باتیں سن کر
پتھر موم کہاں ہوتے ہیں؟
ظاہر باطن ایک کہاں ہے؟
قول و فعل بھی یکساں کب ہیں؟
خون کا رشتہ ہو یا یاری
سب کا مقصد مارا ماری
سر جی! آپ بھی
کیسی سوچ کے مالک ٹھہرے!

خود کو ذات سے تنہا کر کے
غیروں کی ہر بزم سجا دی
اپنے فن پر پردہ ڈالا
اوروں کو فنکار بنا کر
شہرت کی دستار تھما دی!
جب بھی آگے بڑھنے کا کوئی لمحہ آیا
پہلے سے بھی
پیچھے بھاگے
پیار کی دولت
عزت بانٹی

اپنا دامن خالی رکھا
سر جی! آپ بھی کیسی
سوچ کے مالک ٹھہرے!

عادت سے مجبور ہوا ہوں
پھر اس در سے دور ہوا ہوں

سانس اٹھانے سے عاری ہوں
تھکن سے ایسے چُور ہوا ہوں

شہرت بانٹ کے دنیا بھر میں
تب ہی تو مشہور ہوا ہوں

تجھ کو اپنے پاس بلا کے
اپنے آپ سے دور ہوا ہوں

پہلے تو سب دکھلاوا تھا
شاد میں اب رنجور ہوا ہوں

خودغرضی

معدے کی بھوک
جب حد سے بڑھ جاتی ہے
تو وہ دانتوں سے

ادھ چبائے لقمے بھی چھین لیتا ہے
وہ بھوک کے جنون میں
یہ بھول جاتا ہے
کہ دانت اسکے
دوست ہیں یا دشمن!!

جھوٹ

جھوٹ۔۔۔دیواروں پر اگ رہا ہے
جھوٹ۔۔۔سیم زدہ ورقوں کے اندر پل رہا ہے
جھوٹ۔۔۔لوگوں کے چہروں پر مسکرا رہا ہے
جھوٹ۔۔۔بازار میں ریڑھیوں، دکانوں اور ٹھیلوں پر چلّا رہا ہے

جھوٹ۔۔۔سڑکوں پر گھسٹتا، رینگتا دکھائی دیتا ہے
جھوٹ نے آبِ حیات پی لیا ہے
جھوٹ۔۔۔ بھٹکی ہوئی آتما بن گیا ہے
جھوٹ۔۔۔ہوا میں سرایت کر گیا ہے
جھوٹ۔۔۔انہونی کے تلوے چاٹ رہا ہے
جھوٹ۔۔۔کمپیوٹر کی کرسر کے ساتھ چپک گیا ہے
جھوٹ۔۔۔ای میل کے ساتھ ای میل سے پہلے پہنچ جاتا ہے
جھوٹ۔۔۔۔پناہ لے چکا عدالتوں میں
جھوٹ۔۔۔ مشاعروں میں جھومتا دکھائی دیتا ہے

جھوٹ۔۔۔نئی نویلی دلھن کے ماتھے کا جھومر بن گیا ہے
جھوٹ۔۔۔محبت کی ضرورت بن گیا ہے
جھوٹ۔۔۔ٹائی کی ناٹ میں بندھا نظر آتا ہے
جھوٹ کار کے شیشوں پر چمکتا ہے
جھوٹ۔۔۔انسان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے
جھوٹ۔۔۔انسان کے ساتھ پل رہا ہے۔

انتظار

رات ہوئی ہے، ہُو کا عالم
ہر شے سہمی سہمی سی ہے
یادوں کا طوفان اور آندھی
دل کے خالی کمروں کی
دیواروں سے ٹکراتے ہیں

انجانے سے خوف کے کارن
دل کی دھڑکن تھمتی جائے
سوچ بدن میں جمتی جائے
خالی آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں
تیرا رستہ!!

میڈم روزینہ اقبال کیلئے

یہ بھی سچ ہے
تیرے ذہن میں
رنگوں کا آباد جہاں ہے
یہ بھی سچ ہے
جو بھی دیکھے

تیرے فن کا گرویدہ ہو
یہ بھی سچ ہے
تیرے ذہن کے ایوانوں میں
فن کی نسلیں جاگ رہی ہیں
یہ بھی سچ ہے

تو حسّاس ہے اور وفا نے سیکھے تجھ سے سارے ایتھک
یہ بھی سچ ہے
تیرے ہاتھ سے بننے والی ہر شے ہے شہکار مگر
یہ بھی سچ ہے
تو بھی ہے رب کا شہکار
کہ
ایک انار اور سو بیمار

صراطِ مستقیم

بقاء کے راستے پر ہوں
خدا کے راستے پر ہوں
چلو اچھا ہے!
اپنی دولتِ ایماں نہیں بیچی

اندھیرا آج بھی سورج دبائے آستینوں میں
مجھے ہر روز ملتا ہے
میں اسکا ہاتھ تھاموں تو
سلاموں کے کئی منظر
امارت کا حسیں چہرہ
مری آنکھوں میں در آئے

مگر اچھا ہے کالے راستے سے دور ہوں اب تک
خدا کا شکر ہے جب آئینے میں خود کو تکتا ہوں
تو خود سے گھن نہیں آتی
میں سینہ تان کر چلتا ہوں تو احساس ہوتا ہے
بقاء کے راستے پر ہوں
خدا کے راستے پر ہوں۔

کشمکش

میں زندگی کی لگی
اک لمبی قطار میں کھڑا ہوں
سر پر بہت دھوپ ہے
پانی بھی نہیں ہے
قطار میں لگی ساری جنتا
بھیک میں
خوشیاں لینا چاہتی ہے

سروں کے اوپر سے دیکھتا ہوں
تو قطار اور لمبی ہو جاتی ہے
بہت مشکل میں ہوں
خوشیاں بھی نہیں لے پا رہا
اور گھر بھی نہیں جا سکتا۔۔۔

عبرت پکڑو

ہنستے بستے، کھاتے پیتے
شہر کے لوگو!
عبرت پکڑو
ٹھنڈا چولھا، خالی ہانڈی

بھوک کے پیٹ بلکتے بچے
ان لوگوں کا کچھ تو سوچو!
عبرت پکڑو
اپنے لہو کے گھونٹ ہی پینا
غم کھانا اور کھاتے رہنا
ان لوگوں کا کھانا پینا
اپنے پیٹ کا ایندھن بھر کے
چین سے سونے والے لوگو!
عبرت پکڑو

Confusion

مرے مولا!
مرے بس میں نہیں ہے اور اب جینا
مرا کمزور سا دل ہے
ہر اک لمحہ اذیت ہے
مری لبریز آنکھوں میں

ہر اک منظر قیامت ہے
حسد کے جال ہیں ہر سُو
الجھتا جا رہا ہوں میں
مجھے اب ایسے لگتا ہے
کہ مرتا جا رہا ہوں میں

ذرا سی بات

ذرا سی بات ہے ہرگز
پریشاں تم نہ ہو جانا
یہ سینے میں جو دل ہے ناں!
تمہارا نام لینے پر
بڑی شدت سے دھڑکے ہے

مگر کم بخت جانے کیوں
کبھی یوں رُک سا جاتا ہے
طبیعت میں گھٹن سی ایک دم
محسوس ہوتی ہے
ذرا سی بات ہے ہرگز پریشاں تم نہ ہو جانا

کبھی یوں کھلکھلاتے، مسکراتے ہنستے چہرے پر
اچانک درد کا غم کا کبھی سایہ جو پڑ جائے
کوئی محفل ہو جانے کیوں
طبیعت بجھ سی جاتی ہے
ذرا سی بات ہے ہرگز پریشاں تم نہ ہو جانا

روز ہم سے ملا کریں صاحب
کچھ کہا کچھ سنا کریں صاحب

بیر رکھنا جسے نہیں آتا
ایسے دشمن کا کیا کریں صاحب

وقت چلتا کہیں نہ تھم جائے
دھیان سے کچھ چلا کریں صاحب

ایسی چپ بھی تو اک قیامت ہے
ہم سے کچھ تو گلہ کریں صاحب

یہ کیا ہر وقت سوچ میں گم گم
تھوڑا خوش خوش رہا کریں صاحب

شآد آوارگی کہاں کافی؟
کام کچھ تو کیا کریں صاحب

زمین و آسماں کے رب
زمیں کا پیٹ
کب کا بھر چکا
معصوم لاشوں سے
ظلم کی آندھیوں میں اتنی شدت
کس لیے آخر
زمین و آسماں کے رب

تو باطل کی حمایت میں
یا راہِ حق کا حامی ہے
زمین و آسماں کے رب
زمیں پہ اس طرح بھی ہو
کہ جیسا آسماں پہ ہے۔

ڈاکٹر شفیق چوہدری کے نام

تیرے دو لفظ
تحریری ہوں یا زبانی
شفاء بن کر مسکراتے ہیں!!!

شاعر

کسی کو آگ میں جلتا ہوا
تم نے نہیں دیکھا

کسی منظر کسی دیوار پر چسپاں
کوئی حیرت میں ڈوبی
آنکھ دیکھی ہے؟
کسی بے چین دھڑکن سے
پگھلتا دل نہیں دیکھا

کبھی سورج کو اپنی آگ میں جلتے نہیں دیکھا
کسی مشروب کی بوتل کے سوکھے ہونٹ دیکھے ہیں؟
کسی دریا کی لہروں کو کبھی روتے ہوئے دیکھا؟
کبھی مفلس کا کوئی خواب سچ ہوتے ہوئے دیکھا؟
کسی شاعر کی آنکھوں میں
ذرا سا جھانک کر دیکھو!!!

رات

سارا عالم سوتے دیکھا
جاگ رہی تھی رات
آگے آگے سورج، پیچھے
بھاگ رہی تھی رات

عنبرین کے نام

میں کہتا تھا
حسن کی دیوی
دور نہ جاؤ
پاس تو آؤ
وہ کہتی تھی

میں پگلی ہوں؟
کیوں آؤں میں؟

میں کہتا تھا
شرم وحیاء سے باہر آؤ
اپنا پیارا مکھڑا جانم!
مجھے دکھاؤ
وہ کہتی تھی
میری مرضی
کیوں دکھلاؤں؟

میں کہتا تھا
نخرے وخرے سارے چھوڑ و
نہ ترساؤ، باز آجاؤ
یا پھر جاؤ بھاڑ میں جاؤ
وہ کہتی تھی
تم ہی جاؤ!
میں کیوں جاؤں؟

میں کہتا تھا

دیوانہ ہوں
پہلے سے ہی دل چھلنی ہے
ایسے تو نہ مجھے رلاؤ
ایسے تو نہ مجھے ستاؤ
وہ کہتی تھی
کیوں نہ رلاؤں؟
کیوں نہ ستاؤں؟

میں کہتا تھا
تم سے اب میں روٹھ چکا ہوں
کانوں کو اب ہاتھ لگاؤ
مجھے مناؤ!
وہ کہتی تھی
خود روٹھے ہو،
میں کیوں مناؤں؟

میں کہتا تھا
ترکِ تعلق لازم ہے اب
مجھ سے اب تم بات نہ کرنا

جاؤ اپنے گھر کو جاؤ
وہ کہتی تھی
تم کو جانا ہو تو جاؤ
میں کیوں جاؤں؟

میں کہتا تھا
میری مانو!
اپنے آپ سے باہر آؤ
ختم کرو یہ ناٹک واٹک
یا تم مجھ کو بھول ہی جاؤ
وہ کہتی تھی
ناممکن ہے تجھے بھلاؤں!
میں کہتا تھا
ہر اک بات پہ کیوں کہتی ہو
''کیوں'' کا مطلب کیا ہوتا ہے۔۔۔۔
میں بتلاؤں۔۔۔۔
آدھی لڑائی!
منہ کو پُھلائے ناراضی میں
جب بھی اٹھ کر جانے لگتا

ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا کر
ہنستے ہنستے پیار سے کہتی
جانُو! میری جان بھی تیری، میں بھی تیری۔۔سب کچھ تیرا

نظم

شب کے دل کی دھڑکن اتنی؟
شب کی سانس میں اتنی گرمی؟
بہکا دیکھے تجھ کو شاید
میرے گھر میں لوٹ آئی ہے

تجھ کو تنہا چھوڑ آئی ہے

گھڑیاں چلتے چلتے تھک کر
اک دوجے سے پوچھ رہی ہیں
چاند کیوں ساکت آج کھڑا ہے
شاید تجھ کو صحن میں سوتے
کروٹ لیتے دیکھ چکا ہے

تیرے گھر کی دیواروں نے
کیسا شور اٹھا رکھا ہے
گھر والوں سے کہہ رکھا ہے
اس لڑکی کے حسن کی باتیں
گلی گلی میں عام ہوئی ہیں
ہم یوں ہی بدنام ہوئی ہیں

پہلو میں دلدار پڑا ہے
عاشق ہے ناچار پڑا ہے

غربت کی دیوار کے پیچھے
آہوں کا انبار پڑا ہے

تیری دید کے طالب گل ہیں
گلشن بے سدھ یار پڑا ہے

امن ، سکوں اور سکھ کا سایہ
مقتل کے اس پار پڑا ہے

موت اور تیری دید کا طالب
دیوانہ بیمار پڑا ہے

تمہارا عکس مجھے آئینے میں دکھتا ہے

تمہارا عکس مجھے آئینے میں دکھتا ہے
میں پریشان ہوں
اپنی تلاش میں گم ہوں
میں آنکھیں بند کیے
دل کی بات سنتا ہوں

لہو کے ذروں کی آنکھوں میں جھانکتا ہوں مجھے
تمہارا عکس ہی ہنستے ہوئے نظر آئے
تمہارا عکس مجھے آئینے میں دکھتا ہے
تمہاری یاد سے
نظریں چُرا کے، چپکے سے
کتابوں سے جونہی میں بات کرنے لگتا ہوں
ہر ایک لفظ میری بے بسی پہ ہنستا ہے
تمہارا عکس مجھے آئینے میں دکھتا ہے

درودیوار کو حامی ترا سمجھتے ہوئے
بہت سنسان سے رستوں کا رخ جو کرتا ہوں
مجھے تنہائی کا چہرہ بھی اُترا لگتا ہے
تیرا خیال پھر۔۔شدت سے ساتھ چلتا ہے
تمہارا عکس مجھے آئینے میں دکھتا ہے

بند مٹھی کی ریت

گہری سوچوں میں ڈوبے
وہ کھوئی کھوئی رہتی تھی
اور اکثر مجھ سے کہتی تھی!!!

میں ریت ہوں تیری مٹھی کی
گر مٹھی ڈھیلی چھوڑو گے
تو مٹھی سے بہہ جاؤں گی
اور مٹھی کو جو بھینچو گے
میں پھر بھی نہ رہ پاؤں گی

کون

مرے دل کے نہاں خانوں میں
چھپ کے کون بیٹھا ہے؟
یہ کیسی سوچ ہے جس سے
ہزاروں الجھنیں میری

اچانک ختم ہو جائیں
کبھی جو دیکھنا چاہوں
دکھائی کچھ نہیں دیتا
کبھی جو پوچھتا ہوں تو
سنائی کچھ نہیں دیتا

میرے چہرے کی زردی میں
مری آنکھوں کے پانی میں
مری باتوں کی خوشبو میں
کسی کو دیکھ پاتے ہو؟
کوئی سپنا، کوئی اپنا
جو میرے دل کے اندر ہے
کسی دن یونہی چپکے سے
دبے پاؤں چلا جائے
یا شاید خود ہی مر جائے
میرے دل میں جو سپنا ہے
یہ سن کر چیخ اٹھتا ہے
علی الاعلان کہتا ہے
میں تجھ کو جانتا بھی ہوں
تجھے پہچانتا بھی ہوں

جی کو جلانا چھوڑ دیا ہے
اس در جانا چھوڑ دیا ہے

یہ نہ ہو وہ بت بن جائے
ہاتھ ملانا چھوڑ دیا ہے

اپنے من کی ہر خواہش کا
ساتھ نبھانا چھوڑ دیا ہے

اس نے میری خاطر گھر میں
دیپ جلانا چھوڑ دیا ہے

اپنا کمرہ اپنی دنیا
آنا جانا چھوڑ دیا ہے

''کہواب کیسا لگتا ہے؟؟''

''کہواب کیسا لگتا ہے؟؟''
زباں پر آبلے ہیں
یار کی باتوں سے چھلنی دل
کسی میٹھی زباں کا کاٹتا لہجہ
تمہیں بھی رات بھر سونے نہیں دیتا؟

سنو! اب دنیاداری سے تمہیں بھی خوف آتا ہے؟
سنو! یاروں کی محفل میں گھٹن تم کو بھی ہوتی ہے؟
کہو دل ٹوٹنے سے قبل
یہی میں نے کہا تھا ناں!
''کہو اب کیسا لگتا ہے؟؟؟؟''

حقیقت

مِٹی کے اِس پُتلے کو
شیشے کے اس پیکر کو
جو سینہ تانے چلتا ہے
اور منہ سے زہر اُگلتا ہے
آنے والی آفت کا
دُکھ کا اور مصیبت کا
احساس ذرا سا ہو جائے

تو دل کی
دھڑکن تھم جائے
خون رگوں میں جم جائے
خوف سے پِیلا پڑ جائے
مِٹی، پتھر بن جائے

ایک نصیحت

میری ماں نے مجھ سے کہا تھا
بیٹا کوئی کچھ بھی کہہ دے

کتنے ہی بہتان لگائے
کتنا بھی عیار رہو لیکن
صبر کا دامن تھامے رکھنا
رب کو سجدہ کرتے رہنا
اسکی جانب تکتے رہنا

بے بسی-II

خوابوں والی گٹھڑی بھر کر
سر پہ اٹھائے
ہانک لگائے
ہر دن، در در دھکے کھاؤں
شام کو خالی دامن لے کر

گھر آ جاؤں
کچی دیواروں کے اندر
تھکن بچھاؤں
اور سو جاؤں
کیسے اپنی بھوک مٹاؤں؟

غفلت

اپنے دل کے
اک گوشے میں
مجھ کو ایسے

رکھ چھوڑا ہے
جیسے کوئی
نام کا مسلم
طاق میں قرآں
رکھ دیتا ہے۔۔۔

بہنا کے نام

بجھتا چہرہ کھل اٹھتا ہے
ورد، دعائیں کرتے کرتے
لب بھی ساکت ہو جاتے ہیں
دنیاداری اور دنیا سے

لڑتے بھڑتے گھر جاتا ہوں
بہنا کا چہرہ تکتا ہوں
بھیا! ٹھنڈا پانی پی لو
ٹائی کو تھوڑا ڈھیلا کرلو
توبہ باہر کتنی لُو ہے
بھیا! بوٹ اتارو
تھوڑی آنکھ لگا لو
بھیا! بھوک لگی ہے تو
تندور جلاؤں؟
دیکھو شرٹ کے کالر
کتنے میلے ہیں!
یہ لو بھیا! روٹی کھالو، چائے پی لو
اور بھی کچھ کھانا ہو
مجھے بتانا بھیا!
عروج اور عفی ادھر سے بھاگو
عاتکہ بشریٰ، شانو تم بھی
جاؤ جا کر باہر کھیلو
چاچو نے اب سونا ہوگا
میری آنکھ میں سرخی دیکھے
بہنا روز یہی کہتی ہے

بھیا اتنی رات گئے تک کیا کرتے ہو؟
گھر میں آ کر کیوں نہیں سوتے ؟
بہنا!!!
کتنی اچھی ہو تم!

تیری نگری میں کیا نہیں ہوتا؟
غمزدوں کا بھلا نہیں ہوتا

جس جگہ ظلم موت بنتا ہے
کیا وہاں پر خدا نہیں ہوتا؟

وقت کتنا برا بھی ہو جائے
تجھ سے مالک گلہ نہیں ہوتا

جو بھی ہے پُر امید جیون سے
آپ سے وہ ملا نہیں ہوتا

شآد جب کھل کے مسکراتا ہے
ایسا منظر سدا نہیں ہوتا

معذرت

سایہ
کمرے کے کئی چکر کاٹ چکا ہے
تکیہ
کروٹیں لے رہا ہے

اور کتابیں
نیند سے اونگھ رہی ہیں
کمرے کا لیمپ
روشنی کیلئے بے تاب ہے
اور میرا سلیپنگ سوٹ
میرے بنا
خود کو ادھورا محسوس کر رہا ہے
کمرے میں لگا کلاک
ٹِک ٹِک کرتے گھڑیاں گن رہا ہے

اور میرا پلنگ
لمبی تانے سو رہا ہے
کمرے کی تنہائی
کمرے کا سناٹا
کمرے کا اندھیرا
میرے منتظر ہیں
اور میں
آج کی رات بھی
گھر جانے سے قاصر ہوں

آج پھر بچ کے آ گیا ہوں میں
گھر کے رستے میں ایک مقتل ہے

دل کے کونوں کو کھوج ڈالا ہے
ایک پچھتاوا سا مسلسل ہے

جو بھی گرتا ہے پھر نہیں اٹھتا
مفلسی ہے یا ایک دلدل ہے

خون بکھرا ہے، سارے بے حس ہیں
شادؔ یہ شہر ہے کہ جنگل ہے

ادراک

دوشیزہ کی اندھی، بہری
بوڑھی ماں بھی یہ جانے ہے

شہر کے لونڈے حرصی کتے
بڑھ چڑھ کے سب شام سویرے
بے بس بوڑھی ماں کی سیوا
کرتے ہیں یا گندی نظریں
گرم گوشت پہ رکھتے ہیں۔۔۔۔

Mutual Understanding

غربت!
میں بھی بے بس ٹھہرا
غربت!
تم بھی بھوکی ہوناں!

میں بھی جینے سے عاری ہوں
تم بھی جیون کی پیاسی ہو
اک رستہ ہے!
مجھ کو کھا لو!
بھوک مٹا لو!

عنقریب

عنقریب جنگل میں رات ہونے والی ہے
عنقریب شہروں میں بھوک پلنے والی ہے
عنقریب دھرتی بھی خوں اگلنے والی ہے
عنقریب سورج پر راکھ پڑنے والی ہے
عنقریب آمر کا بھید کھلنے والا ہے
عنقریب مفلس کی دال گلنے والی ہے

عنقریب خوشیوں کا دور آنے والا ہے
عنقریب سوچوں کی گانٹھ کھلنے والی ہے
عنقریب مصرعوں کو داد ملنے والی ہے
عنقریب چاہت کی مانگ بڑھنے والی ہے
عنقریب ظلمت بھی آپ مرنے والی ہے

بستر

بہت گداز جسموں کی
جواں گرمی سے واقف

سردبستر آ کے دیکھو!
بڑھاپے کی
اندھیری کھائی میں
گرتا ہی جاتا ہے
حسن کی راہ تکتا ہے

دکھی تو ہوں مگر دل دکھانے والے نہیں
میں دل کا حال کسی کو بتانے والا نہیں

عجیب شخص ہے برباد کرکے کہتا ہے
میں اتنی جلدی تیرے ہاتھ آنے والا نہیں

اک غم دل میں پلتا جائے
رنگت پیلی کرتا جائے

آگے آگے لمحے بھاگیں
پیچھے جیون چلتا جائے

اسکی رات سی کالی آنکھیں
دیکھ کے سورج جلتا جائے

دو سانسوں کی خاطر بندہ
دیکھو کیا کیا کرتا جائے

پیار کو جتنا ضبط کرو گے
اُتنا ہی یہ بڑھتا جائے

آنکھیں نیند سے بوجھل بوجھل
من میں خواہش جاگ رہی تھی

سر پر پاؤں رکھے منزل
مجھ سے آگے بھاگ رہی تھی

دل کو تسخیر کر لیا میں نے
خود کو تصویر کر لیا میں نے

تجھ سے آنکھیں چُرا رہا ہوں میں
خواب تعبیر کر لیا میں نے

ایک عاشق ہوں، ایک باغی ہوں
وعدہ ، زنجیر کر لیا میں نے

دل کے اُجڑے، اداس کمرے کو
پھر سے تعمیر کر لیا میں نے

مجھ کو اَزبر ہیں فلسفے سارے
عشق تفسیر کر لیا میں نے

نظم

شہر میں رات بھر کتے
ہماری خامشی پہ
احتجاجاً بھونکتے ہیں
پھر بھی
ہم خاموش رہتے ہیں

تنبیہ

ہوا کے ہاتھ باندھو

ہر شجر ویران لگتا ہے
ابھی سے
پھول، پھل پتے
بہت ناپید ہوتے جا رہے ہیں
خزاں زرخیز ہوتی جا رہی ہے

خودکشی کا بھی کچھ سامان ہوا جاتا ہے
تو میری سوچ پہ مہمان ہوا جاتا ہے

تیری زلفوں کا اثر ہے یا تیری آنکھوں کا
ایک شاعر بہت نادان ہوا جاتا ہے

زندگی موت سے بدتر تھی، ترے آنے سے
سانس لینا مجھے آسان ہوا جاتا ہے

عشق میں آپ کے چرچے تو ہوئے ہیں لیکن
یار میرا بہت نقصان ہوا جاتا ہے

پھر سے باغی کوئی لفظوں کی ضیاء لے کے چلا
سارے زرداروں کا سلطان ہوا جاتا ہے

Advice

اپنی اناء کا
خُون نہ کرنا!
اب کے،
تم بھی۔۔۔
فَون نہ کرنا!

Information

چابی کہیں

گم ہو جانا چاہتی ہے
کی رِنگ اسکی پشت پہ چپکا
ساتھ گھسٹتا پھرتا ہے
اور دراز میں رکھی چیزیں
دم گھٹنے سے مر سکتی ہیں۔۔۔۔

گرگٹ

قول وفعل بدلتے ہو
تم اپنی سوچ بدلتے ہو

اپنے من کو رشوت دے کر
روح کا سودا کر لیتے ہو

جس رنگ کا ماحول ہو ویسا
رنگ بدلتے ہو

انساں ہو۔۔۔
یا گرگٹ ہو؟؟؟؟

جدائی ختم ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے

جدائی ختم ہونے میں
ابھی کچھ دیر باقی ہے
ابھی سے مضطرب اتنے
ابھی سے خواب کی سنگت

ابھی سے ہاتھ میں گجرے
ابھی سے آنکھ میں کاجل
ابھی سے وصل کی باتیں
ابھی سے کل کے منصوبے
ابھی کچھ مسئلے ایسے
جنہیں سلجھانا باقی ہے
ابھی کچھ کام ایسے ہیں
جنہیں نمٹانا باقی ہے
جدائی ختم ہونے میں
ابھی کچھ دیر باقی ہے۔۔

سچ

سچ کی تصویر کہاں دکھتی ہے
سچ کی آواز بھی نہیں آتی
سچ کسی طاق میں مقید ہے
سچ اندھیروں میں جل رہا ہے کہیں
سچ حقیقت پہ بین کرتا ہے
سچ بہت آدمی پہ کڑھتا ہے
سچ کہیں منہ چھپائے پھرتا ہے
سچ پرانے زمانے کا باسی
سچ ہواؤں میں خود کا متلاشی

سچ کو اب بولنا نہیں آتا

سچ پہ اب ظلم بے تحاشا ہے
سچ کہیں منتظر ہے محشر کا
سچ کہیں منتظر ہے مہدی کا
سچ کہیں خود کو کوستا ہوگا
سچ کہیں بیٹھا رو رہا ہوگا

آج پھر دھماکہ ہوا
ریلوے اسٹیشن کے اندر
جہاں کچھ لوگ زندگی سے ملنے آئے
اور موت کا شکار ہو گئے
کچھ لوگ۔۔۔
جن کے سروں پر خاندان آباد تھے
اور کچھ مائیں۔۔۔

جن کے پلّو میں بچوں کیلئے ٹافیاں بندھی تھیں
کچھ قلی ----
جو رت جگوں کے عادی تھے
قسمت جگانے کے چکر میں خود ہی سو گئے
نجانے خود کش حملہ آوروں کو
ریلوے اسٹیشنوں، ہسپتالوں، لاری اڈوں بازاروں اور مسجدوں میں
دھماکے کر کے کیا ملتا ہے؟
شاید
شرافت کو ختم کرنے کے در پے ہیں
آج پھر
سارے ٹی وی چینلز
رٹا رٹایا سبق دھرا رہے ہیں
سن رہے ہو؟
آوازیں آرہی ہیں!!!
طالبان نے ذمہ داری قبول کر لی
صدر اور وزیر اعظم نے اس واقعے کی شدید مذمت کی ہے
واقعے کی تحقیقات ہو رہی ہیں
آیئے چلتے ہیں ہسپتال
جہاں پہ ہمارے نمائندے ہمیں تازہ ترین تفصیلات سے آگاہ کریں گے
جی صاحب!

کتنے لوگ مر گئے اور کتنے مرنے والے ہیں
کتنے لٹر خون بکھرا ہے اور بارود کتنا تھا؟
عجیب تحقیقات ہیں
عجیب بھیڑ چال ہے
ہر روز ہم
کفِ افسوس ملتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں
خون کی ہولی کو عام سی بات سمجھتے ہوئے
اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں
اور انتظار کرتے ہیں
ایک اور بم دھماکے کا!!!

پھِر

جب سے سورج

آپے سے باہر ہو بیٹھا
باغوں میں
پھولوں نے کھلنا چھوڑ دیا ہے
اور بناوٹی پھولوں کی
پھر مانگ بڑھی ہے۔۔۔

لفظ مٹھاس میں گوندھا ہوا
تاکید بن جائے
تو پھر تکرار ہوتی ہے

محبت خار ہے لیکن
اگر یہ راس آجائے
کوئی غم پاس نہ آئے

قلم کی راہ روکیں
لفظ ٹوکیں
کچھ نہیں ہوتا
خدا۔۔۔تاریخ لکھتا ہے

آئینہ بے ایمانی کی
ڈگر کو چھوڑ دے
تو یہ جہنم
پھول بن جائے

سڑک کے
پیر پکڑو!
فاصلوں کی پشت پہ
کیوں ہاتھ رکھتی ہے؟؟؟

حسن آرائشوں کے چکر میں
جسم و دل خواہشوں کے چکر میں

میں دکھوں کے گلے دباتا ہوں
عمر، افزائشوں کے چکر میں

خواہشیں وقت کے تعاقب میں
زندگی ، خواہشوں کے چکر میں

میں بہت قربتوں کی جلدی میں
یار فرمائشوں کے چکر میں

دل تھرکتی اداؤں کی زد میں
آنکھ، پیمائشوں کے چکر میں

کیا تم نہیں دیکھتے؟؟؟

کیا تم نہیں دیکھتے؟
خون کے پیاسے
دندناتے خونخوار درندے
اور شیطان کوّے

جو کوئل کے انڈے ہواؤں میں اچھال کر
گیت گاتے پھرتے ہیں
کیا تم نہیں دیکھتے ؟
قتل گاہوں سے نکلتے ہوئے پادری
مسجدوں میں چھپے ہوئے ابلیس
اور بازار میں تار تار ہوتے ہوئے دوپٹے ۔۔۔
کیا تم نہیں دیکھتے ؟

دو ٹانگوں پر چلتے ہوئے مکڑے
بھیڑوں کی کھال پہنے ہوئے بھیڑیے
آسمان سے اترتا ہوا خون
اور زمین سے اٹھتی ہوئی آہیں ۔۔۔
دیواروں کے جلتے ہوئے جسم
اور کلیوں کو رات میں پامال ہوتے
کیا تم نہیں دیکھتے ؟
مسکان کو ترستے ہوئے آلام
گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے حیوان
اور قبروں میں سوئے ہوئے انسان
کیا تم نہیں دیکھتے ؟
اقتدار کی ہوس میں ڈوبے ہوئے نیم پاگل لمحے

ہاتھ باندھ کر چلتے ہوئے قلم
سانس لینے کیلئے مضطرب فائلیں
اور بین کرتی ہوئی کرسیاں
کیا تم نہیں دیکھتے؟

بے بس ماتھا پیٹتی قابلیت
جھوٹی شان کا تاج پہنے ہوئے عظمت
اور بچے جنتی ہوئی غربت
کیا تم نہیں دیکھتے؟
ماتھوں پر
خون کے آنسو روتے ہوئے بل
آنکھوں میں نفرتوں کے شہر
اور غصے سے بھینچتی ہوئی مٹھیاں۔۔۔
سسکتی دم توڑتی ہوئی زندگی
پھیلتا ہوا اندھیرا
قریب آتا ہوا محشر
اور تپتا ہوا سورج
کیا تم نہیں دیکھتے؟